© rasailojaraid.com

میں خواجہ غلام فریدؒ نے نواب صادق محمد خان رابع کو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں تلقین کی تھی کہ انگریز جو ملت اسلامیہ کے دشمن ہیں ان کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے۔ *دیوان فرید*، بار سوئم، مطبوعہ اُردو اکیڈمی، بہاولپور، ص۔

۲۰۔ اشتیاق حسین قریشی، *برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۳۱-۳۳۲۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۰۴-۳۰۵۔

۲۳۔ سید محمد میاں *تحریک شیخ الہند*، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ص ۱۱۶-۱۱۷، بحوالہ *نقش حیات*'' ص ص ۲۰۹-۲۳۶۔

۲۴۔ آپ کا اصل نام ''بوٹا سنگھ'' تھا۔ آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں جیانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے چار ماہ قبل ہی آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اسی لئے آپ نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی۔ وہاں پر آپ نے ایک نومسلم ''عبیداللہ'' کی تصنیف ''*تحفتہ الہند*'' کا مطالعہ کیا تو اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں آپ مڈل کی تیسری جماعت (آٹھویں) میں تھے کہ اظہار اسلام کے لئے سندھ پہنچے اور وہاں ''بھرچونڈی شریف''، ضلع جیکب آباد کے مشہور بزرگ صوفی بالصفا حافظ محمد صدیق کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ان کے ہاتھ پر بعیت کی۔ روحانی مرشد نے ایک روز فرمایا ''عبیداللہ نے اللہ کے لئے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا اب اس کے ماں باپ ہم ہیں''۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ۱۹۸۳ء دانشگاہ، پنجاب، لاہور، ص ۹۸۴۔

۲۵۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن تحریک آزادی وطن کے علمبردار تھے، دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۸ء میں اس کے صدر مقرر ہوئے اور ۲۳ سال تک اس عہدے پر قائم رہے۔ ۱۹۰۹ء میں جمعیت انصاری کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۱۵ء میں آپ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ آپ اس بات کے حامی تھے کہ زور بازو سے انگریزوں کو ملک سے باہر نکال دینا چاہئے۔ اس لئے شریف مکہ نے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا اور آپ کو مالٹا میں بند کر دیا۔ چار سال مالٹا میں اسیری گزار کر واپس ہندوستان آئے اور ۳۰ نومبر کو دہلی میں انتقال کیا اور آپ کو دیوبند میں دفن کیا گیا۔ *اردو دائرہ معارف اسلامیہ*، جلد ۱۲، ۱۹۸۳ء دانشگاہ پنجاب، لاہور، ص ۶۳۵۔

۲۶۔ مولانا حسین احمد مدنی، *تحریک ریشمی رومال*، ص ص ۲۰۱-۲۰۳۔

۲۷۔ عبیداللہ قدسی، *آزادی کی تحریکیں*، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ص ۲۳۰-۲۳۱۔

۲۸۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی زندگی کا بیشتر حصہ دین پور میں بسر ہوا۔ آپ کی صاحبزادی بھی یہیں آباد ہوئیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبیداللہ سندھی اسی جگہ فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے۔طاہر صدیق، بحوالہ سابقہ،ص ۴۵۱۔

۲۹۔ طاہر صدیق، ایضاً،ص ۴۵۴۔

۳۰۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، اشاعت اوّل، ۱۹۷۷ء، مکتبہ الہام، بہاولپور ص ۵۷۔

۳۱۔ ایضاً،ص ص ۵۷۔۵۸۔

۳۲۔ ایثار وقربانی کی ایسی مثال بہاولپور میں اس سے قبل کہیں نہیں ملتی۔مولوی عبدالعزیز کے رشتہ داروں خصوصاً آپ کے ماموں جو کہ کونسل آف ریجنسی کے رکن تھے، نے مولوی عبدالعزیز پر کافی دباؤ ڈالا کہ فیصلہ واپس لے لیں لیکن وہ ڈٹے رہے۔جبکہ میاں غلام قادر اور سیٹھ کا تعلق خیر پور ٹامیوالی (جو آجکل ضلع بہاولپور کی ایک تحصیل ہے) سے تھا۔ایضاً، بحوالہ سابقہ،ص ص ۵۹۔۶۰۔

۳۳۔ محمد حسن چغتائی، بابائے سیاست، مطبوعہ ہفت روزہ کائنات، بہاولپور، ۴، جولائی ۱۹۶۴ء۔

۳۴۔ امیر افضل حق، تاریخ احرار،ص ۷۵، سن ندارد۔

۳۵۔ احمد سعید، حصول پاکستان، ۱۹۹۶ء، لاہور،ص ۱۳۱۔

۳۶۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بحوالہ سابقہ،ص ۱۳۸۔

۳۷۔ ہندوستان کی ریاستوں کی مسلم آبادی نے اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے آل اسٹیٹس مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کی تو بہاولپور میں ان نظریات کے حامی لوگوں نے اس کی شاخ قائم کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں اسٹیٹس مسلم لیگ کی مرکزی قیادت سے رابطے بھی کئے لیکن ریاست بہاولپور کا قانون انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔چنانچہ ۱۹۴۵ء میں بہاولپور اسٹیٹ مسلم بورڈ کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی جو خالصتاً مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر عمل پیرا تھی۔اس نئی جماعت کے بانی صدر پیرزادہ سلیم اسلم ایڈوکیٹ تھے اور سیکریٹری جنرل۔طان عبدالحمید تھے جو اب تک انجمن اشاعت سیرت النبی ﷺ سے منسلک تھے۔مسلم بورڈ کے قیام کے ساتھ ہی ان لوگوں نے ریاستی حکومت کو مسلم لیگ کی شاخ قائم کرنے کے لئے اجازت کے حصول کے لئے درخواست بھی دی۔یہی نہیں بلکہ مسلم بورڈ کی ورکنگ کمیٹی کی ہدایت کے مطابق بورڈ کے سیکریٹری نے ۱۲، نومبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم کے نام ایک مفصل خط لکھ کر انہیں تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں مسلم بورڈ کی کارکردگی سے آگاہ کیا۔جس پر قائداعظم نے جوابی تار میں پرامن رہتے ہوئے جدوجہد کرنے کی ہدایت کی۔چنانچہ مسلم بورڈ نے تحریک پاکستان کی مہم کو پرامن طور پر جاری رکھا اور تمام ریاست میں بورڈ کی شاخیں قائم کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم لیگ کے مقاصد کو فروغ دینے کی کوششوں کو آگے بڑھایا۔ مسعود حسن شہاب، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، ص ۱۲۵۔

۳۸۔ ایضاً، ص ص ۱۲۶۔۱۲۸۔

۳۹۔ ہفت روزہ کائنات، بہاولپور، ۱۲، اگست ۱۹۴۴ء۔

۴۰۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بحوالہ سابقہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادارہ کی مطبوعات

۱۔گفتارِ قائداعظم	مرتبہ: احمد سعید	۶۰ روپے
۲۔فاطمہ جناح، حیات وخدمات	ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی	۸۰ روپے
۳۔اسلام کی انقلابی علمی تحریک	عبیداللہ قدسی	۳۰ روپے
۴۔جمعیت العلماء ہند-دستاویزات (۲ جلدیں)	مرتبہ: پروین روزینہ	۱۲۵ روپے
۵۔کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	مرزا شفیق حسین	۱۰۰ روپے
۶۔پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار	ایچ بی خان	۱۲۵ روپے
۷۔آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (۲ جلدیں)	مرتبہ: ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی	۲۰۰ روپے
۸۔قائداعظمؒ کے رفقاء سے ملاقاتیں	مرتبہ: سید ذوالقرنین زیدی	۷۰ روپے
۹۔آہنگ بازگشت	محمد سعید	۱۱۰ روپے
۱۰۔آزادیٔ کشمیر ایک سیاسی جائزہ	مرزا شفیق حسین	۷۵ روپے
۱۱۔پیر صاحب مانکی شریف	وقار علی شاہ	۷۰ روپے
۱۲۔مادرِ ملت قومی اخبارات کی نظر میں	ڈاکٹر ریاض احمد	۲۰۰ روپے
۱۳۔فتاویٔ جہانداری	مرتبہ: ڈاکٹر ریاض احمد	۴۰۰ روپے
۱۴۔مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح: زندگی کے اہم واقعات (۱۸۹۳ء۔۱۹۶۷ء)	ڈاکٹر ریاض احمد	۱۰۰ روپے
۱۵۔مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح اور پاکستان	ڈاکٹر ریاض احمد	۲۲۰ روپے
۱۶۔تحریکِ پاکستان اور نوائے وقت: منتخب مضامین (۱۹۴۴ء۔۱۹۴۷ء)	عذرا وقار	۶۰۰ روپے
۱۷۔ترک اسلامک ریاستوں کی ایک مختصر تاریخ (ماسوائے سلطنتِ عثمانیہ)		۶۰۰ روپے
۱۸۔حیاتِ قلندر شہبازؒ	ڈاکٹر غلام حیدر سندھی	۳۰۰ روپے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائداعظم کی خوش پوشاکی اور نفاست

تحریر و تحقیق: خواجہ رضی حیدر

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر پاک و ہند کی ماضیٔ قریب کی تاریخ کے نہایت خوش پوشاک اور نفیس انسان تھے۔ جہاں مورّخین نے اُن کی سیاسی بصیرت کو موضوع بنایا ہے وہاں جزوی طور پر اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ قائداعظم کی خوش پوشاکی بھی اُن کی شخصیت کا ایک ایسا جزو تھی جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے اپنے مضمون میں جو قائداعظم کی سیاست سے نہیں بلکہ اُن کی جمالیات سے تعلق رکھتا ہے قائداعظم کی خوش پوشاکی اور لباس کے حوالے سے ان کی طبیعت کی نفاست کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

لباس کسی شخص کے ذوقِ جامہ زیبی، نظریات اور رجحانات کی نہ صرف عکاسی کرتا ہے بلکہ اُس شخص کے علاقائی تعلق اور ثقافت کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورہ الاعراف میں لباس کو انسانوں کے لئے موجب زینت قرار دیا گیا ہے۔ لباس تمدنی زندگی کی ایک اہم ترین ضرورت ہے اور اس کو شان و شوکت، نفاست اور وقار کے اظہار کا ذریعہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ مشاہیر عالم نے ہمیشہ وہ لباس زیب تن کیا جو اُن کی سرزمین پر آباد افراد کی روایت اور ثقافت سے ہم آہنگی رکھتا ہو مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ جب کسی رہنما یا پیشوا نے خود کو عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کا آئینہ دار بنالیا تو عوام نے اپنے رہنما کی عقیدت میں خود بھی وہی لباس اختیار کرلیا جو اُن کے رہنما سے مخصوص تھا۔ تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ماضی قریب کی تاریخ میں اس کی ایک جزوی مثال قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت ہے۔ جن کے لباس میں شامل ''ٹوپی'' تحریک پاکستان کے دوران مسلم تشخص کی علامت بن گئی تھی۔ لباس کے حوالے سے قائداعظم کی نفاست پسندی اور خوش پوشاکی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر اُس وقت نہ صرف بمبئی پریذیڈنسی کا حصہ تھا بلکہ ساحلی شہر ہونے کی بنا پر تجارتی مرکز بھی تھا لہٰذا یہاں نہ صرف مختلف اقوام کے افراد آباد تھے بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے اندرونِ و بیرونِ ہند سے بھی لوگ آتے رہتے تھے۔ انگریزوں کی بھی ایک بڑی تعداد یہاں آباد تھی چنانچہ یہاں کی مقامی آبادی کے وہ افراد جو تجارت سے وابستہ تھے انگریزوں سے آشنا ہونے کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی لباس سے بھی کسی حد تک مانوس ہوگئے تھے۔ علاوہ ازیں کراچی کے ایک حصہ میں ''اینگلو انڈینز'' کی بھی ایک بڑی تعداد مقیم تھی جن کی زبان اور لباس تقریباً وہی تھا جو انگریزوں کا تھا اس لئے خصوصاً تجارت پیشہ اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے لباس میں ''کوٹ پتلون'' شامل تھا البتہ سلطنت عثمانیہ سے مسلمانانِ ہند کی مذہبی ہم آہنگی کی بنا پر مسلمانوں کے لباس میں ''ترکی ٹوپی'' بھی شامل ہوا کرتی تھی جسے وہ ہر قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لباس کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔ قائداعظم کے والد جناح پونجا چونکہ تجارت پیشہ تھے اور انگریزوں سے قریبی رابطہ میں رہتے تھے اس لئے وہ نہ صرف انگریزی زبان سے آشنا تھے بلکہ اُن کا لباس بھی کوٹ پتلون اور ٹائی پر مشتمل تھا۔ کراچی کے اس ماحول میں قائداعظم بھی نہ صرف بچپن سے ہی اس لباس سے آشنا تھے بلکہ اپنے زمانہ طالب علمی میں یہی لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔

۱۸۹۲ء میں محمد علی جناح انگلینڈ چلے گئے جہاں اُن کو بزنس ایڈمنسٹریشن کی تربیت حاصل کرنا تھی۔ لیکن انہوں نے لنکز ان میں داخلہ لے لیا اور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ لندن میں قیام کے دوران اُن کو ''کوٹ پتلون اور ٹائی'' کا مستقل استعمال کرنا پڑا جس کی بنا پر اس لباس کی تہذیبی اور ثقافتی روایت سے بھی وہ آشنا ہو گئے۔ ۱۸۹۶ء میں لندن سے واپس آ کر محمد علی جناح نے بمبئی میں سکونت اختیار کی اور بطور پیشہ وکالت کا آغاز کیا۔ بمبئی میں پارسیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کی آبادی نہ صرف بااثر اور متمول تھی بلکہ انگریزوں سے اپنے قریبی روابط کی بنا پر انگریزی ثقافت کو اختیار کرنا زیادہ معیوب تصور نہیں کرتی تھی۔ بحیثیت وکیل محمد علی جناح کا واسطہ بمبئی کی آبادی کے اسی طبقہ سے تھا اس لئے اُن کو لندن سے ہندوستان واپس آ کر لباس کے انتخاب کے سلسلہ میں کسی تردّد کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور وہ اپنی عدالتی وسماجی ضرورتوں کے پیشِ نظر کوٹ پتلون، ٹائی اور فیلٹ ہیٹ ہی استعمال کرتے رہے نتیجتاً جب ۱۹۰۶ء میں وہ اپنی سیاسی زندگی میں داخل ہوئے تو یہ لباس آہستہ آہستہ اُن کی شخصیت سے بڑی حد تک مشروط ہو گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی لباس کے سلسلہ میں نفاست پسندی اور جامہ زیبی ایسی مشہور ہو گئی کہ لارڈ چیمسفورڈ اور لارڈ ہارڈنگ جیسے ہندوستان کے وائسرائے بھی اُن کی خوش لباسی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں متعدد بار اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ہندوستان میں انہوں نے جناح کی طرح نفاست پسند اور جامہ زیب کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ لارڈ ریڈنگ کی اہلیہ نے تو ایک خط میں جناح کے بارے میں اپنی والدہ کو لکھا کہ ''بمبئی کے جواں سال وکیل جناح کو عموماً خوش لباسی اور جامہ زیبی میں ہندوستان کا لائیڈ جارج تصور کیا جاتا ہے (۱)''۔

۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستگی کے بعد بھی محمد علی جناح انگریزی لباس استعمال کرتے رہے۔ ویسے بھی یہ لباس اُس زمانے میں جدید تعلیم اور روشن خیالی کی علامت کے طور پر ظاہر ہوا تھا اس لئے تقریباً تمام مسلمان رہنما بلا تکلف یہی لباس استعمال کرتے تھے جیسا کہ اُس دور کی تصاویر سے عیاں ہے۔ سر سید احمد خان، نواب محسن الملک، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جیسے رہنماؤں نے بھی اس لباس کو استعمال کیا۔ البتہ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے مذہبی غلبہ اور تحریک خدام کعبہ و تحریک خلافت سے وابستگی کی بنا پر بعد کے برسوں میں اس لباس کو ترک کر دیا تھا۔ یہاں ایک دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر نصف اور بیسویں صدی کی اوائل میں عام طور پر وکالت اور اردو صحافت کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے ناموں کے ساتھ ''مولانا'' اور ''مولوی'' کا لفظ استعمال ہوتا تھا جیسا کہ نواب وقار الملک کے نام کے ساتھ مولوی مشتاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین اور محمد علی جوہر اور ظفر علی خان کے نام کے ساتھ ''مولانا'' استعمال ہوتا رہا جب کہ یہ تینوں افراد اپنے پیشہ یا علمی پس منظر کے لحاظ سے ''مولانا'' یا ''مولوی'' کی مروّجہ تعریف پر پورے نہیں اترتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں مسلم سیاست کا ارتقاء چونکہ مذہبی و ملّی حوالوں سے ہوا تھا اس لئے عام طور پر یہ بھی تصور کیا جاتا تھا کہ جو شخص مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے گا وہ ''مولوی'' یا ''مولانا'' ہوگا اسی عمومی تاثر کے تحت محمد علی جناح کو بھی جن کو عام طور پر ''مسٹر'' یا ''آنریبل'' کہا جاتا تھا متعدد بار مولانا لکھا گیا۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ آل انڈیا مسلم لیگ کے آفس سیکریٹری سید شمس الحسن نے اپنی کتاب Plain Mr. Jinnah میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۶ میں پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس بیک وقت ایک ہی مقام یعنی لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ پروگرام کے مطابق ان دونوں جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس بھی ہونا تھا جس کی صدارت محمد علی جناح کو کرنا تھی۔ چنانچہ جب محمد علی جناح اس اجلاس میں شرکت کے لئے بمبئی سے کانپور پہنچے تاکہ وہاں سے خصوصی ٹرین کے ذریعہ لکھنؤ جاسکیں تو کانپور کے اسٹیشن پر مسلمانوں کا ایک ہجوم محمد علی جناح کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے اور اس اجلاس کی تشہیر کے لئے مسلم لیگ کے آفس نے جو پوسٹر شائع کئے تھے اُن میں محمد علی جناح کے نام کے آگے ''مولانا'' کا خطاب استعمال کیا گیا تھا جب کہ قائداعظم ہلکے بادامی رنگ کا نہایت نفیس سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ جس میں وہ ''مولانا'' کے بجائے یورپ کے لارڈ نظر آرہے تھے۔ دوران استقبال کانپور کے اسٹیشن پر یہ بات مسلم لیگ کے تقریباً تمام رہنماؤں نے محسوس کی چنانچہ مسلم لیگ کے ایک رہنما سید وزیر حسن نے قائداعظم کو تجویز پیش کی کہ وہ شیروانی پہن کر اجلاس میں شرکت کریں تاکہ پوسٹر میں لکھے ہوئے خطاب ''مولانا'' کی لاج رہ جائے۔ قائداعظم چونکہ صاف گو اور اصولی انسان تھے لہٰذا انہوں نے کوئی ایسا لباس زیب تن کرنے سے انکار کردیا جس کے روائیتی آداب سے وہ واقف نہیں تھے۔ قائداعظم کے انکار سے سب ہی شش و پنج میں پڑ گئے لہٰذا فوری طور پر یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ سوٹ کے ساتھ ٹوپی زیب سر کر کے اجلاس میں شریک ہوں۔ قائداعظم نے اس تجویز پر رضامندی ظاہر کی چنانچہ فوری طور پر کانپور کے مچھلی بازار کی ایک دکان سے ایک درجن سے زائد مختلف قسم کی ٹوپیاں لائی گئیں اور اُن میں سے ایک ٹوپی ''جوتر کی ٹوپی'' تھی قائداعظم نے منتخب کر کے سر پر لگالی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ محمد علی جناح نے کسی عوامی اجتماع میں ایک ایسی ٹوپی پہن کر شرکت کی جو اُس زمانہ میں مسلم تشخص کی علامت تصور کی جاتی تھی (۲)۔

صوبہ سندھ کے نامور مسلم لیگی رہنما محمد ایوب کھوڑو نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں مجھے پہلی مرتبہ محمد علی جناح سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جب وہ پیر صبغت اللہ شاہ پگارا (موجودہ پیر مردان شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پگارا کے والد) کے مقدمہ میں خصوصی مجسٹریٹ کی عدالت واقع سکھر میں بطور وکیل صفائی پیش ہونے کے لئے آئے تھے۔اس دوران اُن کا قیام سرکٹ ہاؤس، سکھر میں تھا۔مقدمہ کی کاروائی سے جب وہ فارغ ہوئے تو سر عبداللہ ہارون نے جو کراچی سے سکھر آ گئے تھے خیر پور ہاؤس میں جناح کے اعزاز میں ایک ظہرانہ ترتیب دیا جس میں سکھر کے معزز شہریوں کی ایک بڑی تعداد بھی مدعو تھی۔اس ظہرانہ میں محمد علی جناح بہت جاذب نظر سیاہ اچکن، چوڑی دار سفید پاجامہ اور ''پمپ شوز'' جس کا اُس زمانہ میں بہت رواج تھا پہن کر شریک ہوئے تھے (۳)۔

۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کی از سرِ نو صدارت قبول کرنے کے بعد ایک عرصہ تک قائد اعظم عموماً اچکن کے ساتھ چوڑی دار پائجامہ ہی استعمال کرتے تھے شاید اس کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ کاٹھیاواڑ خصوصاً جونا گڑھ میں اس طرز کے پائجامے اچکن کے ساتھ پہنے جاتے تھے اور یہ لباس ایک اعتبار سے قائد اعظم کا آبائی لباس تھا۔اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں بھی قائد اعظم نے اسی لباس میں شرکت کی تھی۔مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے قائد اعظم جب لکھنؤ پہنچے تو آپ کا قیام راجہ صاحب محمود آباد کی کوٹھی ''محمود آباد ہاؤس'' میں تھا۔پہلے دن کے اجلاس سے ایک گھنٹہ قبل نواب محمد اسماعیل خان بھی وہاں پہنچ گئے۔وہ حسب معمول بالکل بے عیب لباس میں تھے اور ایک سیاہ سموری ٹوپی زیب سر کئے ہوئے تھے۔قائد اعظم نواب صاحب کی اس ٹوپی کی طرف متوجہ ہوئے اور نواب صاحب سے فرمایا ''کیا آپ اسے تھوڑی دیر کے لئے مجھے دے سکتے ہیں'' نواب صاحب نے ٹوپی اتار کر قائد اعظم کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے زیب سر کر کے دیکھئے۔قائد اعظم نے اسے پہن لیا اور جب سب افراد نے تعریف کی تو ساتھ کے کمرے میں چلے گئے تا کہ آئینہ میں دیکھ کر اس کی موزونیت کا اندازہ لگا سکیں۔جب دو منٹ بعد قائد اعظم برآمدے میں واپس آئے تو سب کی خواہش پر انہوں نے یہی ٹوپی پہن کر اجلاس میں شرکت کا فیصلہ کر لیا۔مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا کہ ''اجلاس میں قائد اعظم کو ٹوپی اور اچکن میں دیکھ کر عوام کے چہرے کھل اُٹھے اور انہوں نے ایسے فلک شگاف نعرے بلند کئے جن کی گونج آج بھی مجھے سنائی دیتی ہے''۔بقول اصفہانی ''اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی شہر کے بہت سے نوجوانوں اور معمر افراد نے اسی قسم کی ٹوپیاں پہننا شروع کر دیں۔کلاہ سازوں نے بھی اس مقبولیت سے فائدہ اُٹھایا اور بڑی تعداد میں اسی ڈیزائین کی ٹوپیاں بنانا شروع کر دیں (۴)۔یہی ٹوپی بعد میں ''جناح کیپ'' کے نام سے پوری دنیا میں مقبول ہوئی اور آج بھی پاکستان کے قومی لباس کا حصہ ہے۔

قائد اعظم کے پرائیوٹ سیکریٹری مطلوب الحسن سید کا بیان ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح ۱۹۳۶ء کے بعد مسلم لیگ یونیورسٹی علیگڑھ کے طالب علموں سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے اور اکثر علیگڑھ جاتے رہتے تھے۔ابتداً آپ نے علیگڑھ کاٹ شیروانی پہنی اور یہ شیروانیاں علیگڑھ کے ہی ایک درزی کے پاس سے سل کر آتی تھیں۔وہ انگریزی لباس میں ہوتے یا شیروانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اُن کی شخصیت ہر لباس میں پروقار اور جاذب نظر ہوتی تھی۔ آپ بیشتر ریشم کا یا سوتی لباس زیب تن کرتے تھے۔ آپ کے لباس کا ستھراپن دراصل آپ کی باطنی صفائی کا بھی آئینہ دار تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نجی اور پبلک لائف میں پاکیزگی آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی (۵)۔ مطلوب الحسن سید نے اپنے ایک ریڈیو انٹرویو میں کہا کہ ''ایک صاحب نے قائداعظم کو خط میں تجویز پیش کی کہ اگر وہ ہاتھ کا کاتا ہوا اور ہاتھ کا بُنا ہوا گاڑھا کپڑا اپنی پوشاک کے لئے استعمال کریں تو آپ کو عوام میں مزید مقبولیت حاصل ہوجائے گی۔ چونکہ اس قسم کے خطوط اردو میں ہوتے تھے اس لئے میں یہ خطوط قائداعظم کو پڑھ کر سناتا تھا۔ اس خط کو سُن کر قائداعظم نے فرمایا۔ ''اگر عوام میں مقبولیت ڈھونگ رچا کر ہی حاصل کی جاتی ہے تو لعنت ہے ایسی مقبولیت پر''۔ عوام کو تو قائداعظم کی خوش پوشی، طرحداری، بانکپن، خودداری اور بے نیازی ہی حد سے زیادہ عزیز تھی (۶)۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز نے لکھا ہے کہ قائداعظم کی شخصیت نہایت منفرد اور متاثر کن تھی وہ نہایت بے عیب لباس زیب تن کرتے تھے اور وہ جہاں موجود ہوتے تھے اُن کے وجود سے وقار کی ایک مسحور کن خوشبو چاروں طرف پھیل جاتی تھیں (۷)۔

سر اکبر حیدری کی صاحبزادی اور جسٹس بدرالدین طیب جی کے صاحبزادے حاتم بھائی طیب جی کی اہلیہ نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ''لباس کے بارے میں تو بڑے بڑے خوش لباسوں نے یہ کہا کہ جس سلیقہ سے قائداعظم لباس زیب تن کرتے تھے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ نہایت صاف شفاف اور بے شکن لباس پہنتے۔ اگر کبھی سوٹ کے بجائے Combination پہنتے تو اُس کا بھی انتخاب نہایت احتیاط اور سلیقے سے کرتے تھے (۸)۔ غرض ہر اعتبار و معیار سے قائداعظم ایک انتہائی خوش لباس آدمی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بحیثیت گورنر جنرل اے۔ڈی۔سی گروپ کیپٹن عطا ربانی نے اپنے ایک انٹرویو میں قائداعظم کی جامہ زیبی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظم صبح سے شام تک ایک ہی سوٹ میں رہتے تھے۔ وہی سوٹ پہن کر دفتر جاتے اور جب گھر لوٹتے تو اسی سوٹ کو پہنے پہنے تھوڑا بہت آرام بھی کر لیتے تھے لیکن مجال ہے کہ سوٹ کی کریز میں کوئی فرق آئے۔ یہ سب اُن کی نفاست پسندی اور احتیاط کا نتیجہ ہوتا تھا۔ وہ ہر لباس میں خوشنما اور دیدہ زیب لگتے تھے۔ ایک دن آپ کے لئے ایک ٹاٹ کی طرح کا سفید کپڑا خریدا گیا جو دیکھنے میں بالکل معمولی لگتا تھا۔ ہم لوگوں نے سوچا اتنی بڑی شخصیت اور یہ کپڑا۔ مگر جب پہلی مرتبہ اس کپڑے کا سوٹ قائداعظم نے پہنا تو میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ کپڑا کتنا خوبصورت لگ رہا تھا (۹)۔

ایک انگریز صحافی اور "Indian Summar" نامی کتاب کے مصنف جیمز کیمرون نے قائداعظم محمد علی جناح کی نفاست پسندی کا ایک ذاتی مشاہدہ اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ ۱۹۴۵ء میں محمد علی جناح کا انٹرویو کرنے گیا۔ انٹرویو کے لئے مقام قائداعظم کے مطالعہ کا کمرہ طے ہوا تھا۔ جناح نہایت شاندار سوٹ میں ملبوس تھے۔ سوٹ کی سلائی کے ایک ایک ٹانکے سے نفاست عیاں تھی۔ استری اس انداز سے ہوئی تھی کہ سوٹ کی ہر کریز تلوار کی طرح دھار لئے ہوئے تھی۔ اعلیٰ قسم کے لینن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوٹ میں اُن کی آہنی شخصیت بڑی متاثر کن لگ رہی تھی۔ گفتگو کے آغاز کو ابھی شاید آدھا گھنٹہ ہوا تھا کہ اچانک قائداعظم خاموش ہو گئے اور اُن کا چہرہ زرد ہو گیا۔ انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں معذرت چاہی اور اُٹھ کر اندر گھر میں چلے گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ شاید اُن کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ میں ابھی گومگوں کی صورتحال میں تھا کہ وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور پھر خود کلامی کے انداز میں معذرت کرتے ہوئے میرے مقابل بیٹھ گئے۔ انہوں نے میز پر رکھے ہوئے اپنے نوٹس اٹھائے اور پھر کہنے لگے۔ ''میں معذرت خواہ ہوں اس تعطّل کے لئے۔ میرے ملازم نے بیوقوفوں کی طرح میری قمیض کے آستینوں میں غلط ''کف لنکس'' لگا دیئے تھے۔ بہر حال کوئی بات نہیں اب درست ہو گئے ہیں (۱۰)۔

پروفیسر شریف المجاہد نے لکھا ہے کہ'' ۱۹۳۷ء کے بعد جناح نے مسلم لیگ کے اجلاسوں، کانفرنسوں اور عوامی اجتماعات میں اچکن اور تنگ پائجامہ میں شرکت کرنا شروع کر دی تھی لیکن ۱۹۴۳ء کے بعد پنجاب میں خضر حیات کے اعلانِ بغاوت سے انہوں نے اپنی تمام تر توجہ پنجاب اور سرحد کی طرف مبذول کر دی۔ اسی دور میں انہوں نے نیچی شیروانی اور پنجابی شلوار کا استعمال شروع کیا۔ شاید اس خیال سے کہ وہ ان صوبوں کے عوام سے باعتبار لباس بھی مماثلت اور قربت اختیار کر سکیں۔ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان کے پہلے گورنر جنزل کی حیثیت سے بھی آپ نے آزادی کی تقریبات میں شیروانی، شلوار اور جناح کیپ پہن کر ہی شرکت کی۔ یہ لباس نہ صرف اُن پر سجتا تھا بلکہ عوام الناس بھی اسی لباس میں قائداعظم کے دیدار کے خواہاں رہتے تھے''(۱۱)۔

قائداعظم پیپرز میں ایک خط ایسا بھی موجود ہے جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے لباس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بانکی پور پٹنہ کے ایک شخص سمیع احمد کے خط کے جواب میں قائداعظم نے سری نگر کشمیر سے ۲۹ مئی ۱۹۴۴ء کو لکھا کہ'' آپ نے لباس کا جو سوال اٹھایا ہے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ خصوصاً موجودہ حالات میں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس بات سے آگاہ ہونگے کہ ہندوستان میں ایک لباس کا کوئی تصور نہیں ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے ہاں بھی۔ بلاشبہ لباس اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں آپ اس کو بہت زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے لئے ایک ہی لباس ہو تو میرا خیال ہے کہ وہ لباس قومی علامت کے طور پر ظاہر ہو گا''(۱۲)۔

عینی شہادتوں اور واقعات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کسی ایسے لباس کو زیب تن کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس کے ثقافتی وسماجی آداب سے وہ پوری طرح واقف نہیں ہوتے تھے۔ مزید برآں وہ کسی مخصوص لباس کے بھی قائل نہیں تھے۔ اُن کے نزدیک نفاست زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ ہر وہ لباس اُن کی نگاہ میں قابل قدر تھا جو فرد کے شخصی وقار کے اظہار اور شخصیت کے نکھار میں نہ صرف معاون ثابت ہو بلکہ وقت اور موقع سے مطابقت اور مناسبت رکھتا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ سید شریف الدین پیرزادہ کی کتاب "*Some Aspects of Quaid-i-Azam's Life*" (اسلام آباد: نیشنل کمیشن آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، ۱۹۷۸)، ص ۵۰۔

۲۔ سید شمس الحسن "*Plain Mr. Jinnah*" (کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۷۶) ص ص ۱۳۔۱۴۔

۳۔ محمد ایوب کھوڑو کا مضمون "*Quaid-i-Azam And Sindh Politics*" مشمولہ پروفیسر احمد حسن دانی کی مرتبہ کتاب "*Quaid-i-Azam And Pakistan*" (اسلام آباد: قائداعظم یونیورسٹی، ۱۹۸۱) ص ۱۶۶۔

۴۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی "*Quaid-i-Azam As I Knew Him*" (کراچی: ایلیٹ پبلشرز، ۱۹۷۶)۔

۵۔ مطلوب الحسن سید کا مضمون نگار کو ایک انٹرویو، یہ انٹرویو قائداعظم اکادمی کے Oral History Project کے لئے کیا گیا تھا۔

۶۔ دیکھئے پروفیسر زکریا ساجد کی مرتبہ کتاب "قائداعظم میری نظر میں" (کراچی: قائداعظم اکادمی، ۱۹۸۴) شامل مطلوب الحسن سید کا مطبوعہ انٹرویو، ص ۱۴۵۔

۷۔ قائداعظم کے صد سالہ جشن پیدائش پر شائع ہونے والی کتاب *Quaid-i-Azam and Muslim Women*" (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶) میں شامل بیگم جہاں آرا شاہنواز کا مضمون "The Quaid as I Knew Him"، ص ۲۶۔

۸۔ پروفیسر زکریا ساجد کی مرتبہ محولہ بالا کتاب میں شامل بیگم حاتم بھائی طیب جی کا مطبوعہ ریڈیو انٹرویو، ص ۶۵۔

۹۔ ایضاً، گروپ کیپٹن عطا ربانی کا انٹرویو، ص ۲۶۔

۱۰۔ دیکھئے ماہنامہ "*Debonair*" بمبئی کا شمارہ بابت مارچ ۱۹۸۵ میں شائع ہونے والا جیمز کیمرون کا انٹرویو، ص ۷۹۔

۱۱۔ پروفیسر شریف المجاہد "*Quaid-i-Azam Jinnah: Studies in Interpretation*" (کراچی: قائداعظم اکادمی، ۱۹۸۱) ص ۴۱۔

۱۲۔ ڈیپارٹمنٹ آف نیشنل آرکائیوز اسلام آباد میں موجود قائداعظم پیپرز، فائل نمبر ۱۰۹۲، دستاویز ۲۴۱۔

© rasailojaraid.com